عقیدہ رکھتے ہیں۔ (شرح عقائد نسفی صہ ۱۱)

اس وضاحت کے بعد سرچشمۂ فساد کا سراغ بآسانی لگ جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اگر صاحب تتمۂ احوال شیخ کے نقل و بیان میں صرف اپنی مورخانہ حیثیت پر قائم رہتے تو یہ غوغائے ناروا کبھی بھی سننے میں نہ آتا اور نہ شیخ کے خلاف یہ حادثۂ تاریخی رونما ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ ان بنیادوں کی بنا پر جن کا ذکر میں نے کیا ہے شیخ کے بارے میں "مے نوشی" کی روایت غلط ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتابیات :۔

مقالہ کی تیاری میں درج ذیل کتابیں پیش نظر رہیں :۔

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ خطیب عمری تبریزی (م ۷۴۲ھ) مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔

۳۔ معارف السنن ۔ محمد یوسف بن سید محمد زکریا الحسینی البنوری (م ۱۳۹۷ھ) مطبوعہ کراچی

۴۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی)۔ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ نولکشور لکھنؤ

۵۔ القانون فی الطب۔ شیخ بوعلی ابن سینا۔ مطبوعہ مطبعہ العامرہ مصر

۶۔ مقدمہ ابن خلدون ــــــ مطبعۃ الامیریۃ بولاق مصر

۷۔ اخبار الحکماء ۔ علی بن یوسف جمال الدین قفطی ۔ مطبوعہ لیپزنگ

۸۔ نزہۃ الارواح ۔ شمس الدین الشہرزوری (م ۶۸۷ھ)۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

۹۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ۔ ابن ابی اصیبعۃ۔ الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الوہبیۃ مصر

۱۰۔ وفیات الاعیان ۔ ابن خلکان ۔ مطبوعہ مصر

۱۱۔ الملل والنحل۔ عبدالکریم الشہرستانی۔ مطبوعہ بیروت۔

۱۲۔ ترجمہ فارسی ملل ونحل ۔ مطبوعہ ایران۔

۱۳۔ صراط مستقیم (فارسی) — اسماعیل شہیدؒ — مطبع مجتبائی دہلی
۱۴۔ انفاس رحیمیہ — شاہ عبدالرحیم دہلویؒ مطبع مجتبائی دہلی
۱۵۔ منتخب اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید — آقائی بہمنیار - طبع ایران
۱۶۔ شذرات الذہب — عبدالحی بن العمادۃ الحنبلی۔ مطبوعہ مصر
۱۷۔ لسان المیزان — احمد بن علی بن حجر شہاب الدین العسقلانی — مطبوعہ حیدرآباد
۱۸۔ الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ — عبدالقادر حنفی (م ۷۷۵ھ) دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
۱۹۔ تفہیمات الہیہ ۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) مدینہ پریس بجنور یوپی ہندوستان
۲۰۔ مجمع البحار — علامہ طاہر پٹنی ۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن
۲۱۔ القاموس المحیط۔ مجدالدین فیروزآبادی ۔ مطبوعہ بیروت
۲۲۔ المنجد — الاب لویس معلوف السیوعی۔ طبع بیروت
۲۳۔ غیاث اللغات — محمد غیاث الدین — مطبع نظامی کانپور
۲۴۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ — مطبوعہ لاہور
۲۵۔ صراح — ابوالفضل محمد بن عمر جمال القرشی مطبع کانپور
۲۶۔ طب العرب — پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن، مع ترجمہ و تشریح حکیم سید علی احمد نیر واسطی مطبوعہ لاہور
۲۷۔ تتمہ صوان الحکمۃ۔ ظہیرالدین ابوالحسن علی زید البیہقی (م ۵۶۵ھ) مطبوعہ لاہور
۲۸۔ تذکرۃ الاولیاء (فارسی) از فریدالدین عطار — مطبوعہ بمبئی۔
۲۹۔ کشف المحجوب والاستار۔ سید اعجاز حسین کنتوری - مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۳۰۔ اردو ترجمہ تاریخ ادبیات ایران - از رضازادہ شفق مترجم مبارزالدین رفعت، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی
۳۱۔ شرح عقائد نسفی۔ علامہ تفتازانی۔
۳۲۔ فقہ الامام جعفر الصادق، عرض و استدلال الجزء السادس محمد جواد مغنیۃ
۳۳۔ الاستبصار۔ جلد سوم ۔ ابوجعفر محمد ابن الحسن الطوسی

بینک سے تعاون، اور اس کے انٹرسٹ کا شرعی حکم

(۳)

از: مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، استاد حدیث و تفسیر، و ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہمارے علم و مطالعہ میں اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل اور مدلل بحث علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم نے "زادالمعاد" میں کی ہے جس سے اس قسم کے تمام مسائل بآسانی حل ہو جاتے ہیں اور ان کا شرعی جواب مل جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

"فان قیل فما تقولون فی کسب الزانیة اذا قبضته ثم تابت هل یجب علیها رد ما قبضته الی اربابه ان یطیب له أم یتصدق به قلنا هذا ینبنی علی قاعدة عظیمة من قواعد الاسلام وهی ان من قبض مالیس له قبضه شرعاً ثم اراد التخلص منه فان کان المقبوض قد اخذ بغیر رضا صاحبه ولا استوفی عوضه رده علیه فان تعذر رده قضی به دینا

ل اس طویل عبارت کا مطلب یہی ہے کہ حرام طریقہ سے حاصل شدہ مال- اکثر شکلوں میں- اصل مالک یا اس کے ورثہ کو لوٹایا جائے گا- اگر اصل مالک اور اس کے ناجیین تک پہنچانا محال ہو تو پھر صدقہ کیا جائے گا- لیکن بعض شکلیں ایسی ہیں کہ ان میں اصل مالک کا علم ہونے کے باوجود بھی انہیں واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں بلکہ ایسی صورت میں بھی اس مال کا صدقہ کرنا ضروری ہے (بینک کو مالک فرض کرنے کی صورت میں بھی اس کے پاس سود کی رقم نہ چھوڑنے کا فیصلہ کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے)

يعلم عليه فان تعذر ذلك رده إلى ورثته فان تعذر ذلك تصدق به عنه ..... كما ثبت عن الصحابة رضي الله عنهم وان كان المقبوض برضا الدافع وقد استوفى عوضه المحرم كمن عاوض على خمر أو خنزير فهذا لا يجب رد العوض على الدافع أخرجه باختياره واستوفى عوضه المحرم فلا يجوز ان يجمع له بين العوض والمعوض فان في ذلك اعانة على الاثم والعدوان وتيسير أصحاب المعاصي عليه ..... ولكن لا يطيب للقابض اكله بل هو خبيث كما حكم عليه رسول الله .... فطريق التخلص منه تمام التوبة بالصدقة به .... فهذا حكم كل كسب خبيث لخبث عوضه عيناً كان او منفعة [1]"

مال حرام کا یہ حکم اتفاقی ہے

ایسے مال حرام — کہ جس کا اصل مالک یا مستحق کو لوٹانا ممکن نہ ہو — کے بارے میں فقہاء حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب "الدر المختار" اور اس کی شرح "رد المختار" میں ہے:

عليه ديون ومظالم جهل اربابها وأيس من عليه ذلك من معرفتهم فعليه التصدق	جس کسی شخص پر قرضے ہوں، یا ظلم کے ذریعے سے اس نے مال حاصل کیا ہو اور مال کے اصل مالک و مستحق کا پتہ

---

[1] اس علت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اصل حکم تو یہی ہے کہ یہ مال مالک کو لوٹا دیا جاتے مگر مذکورہ فاسدہ سے بچنے کی غرض مصلحت شرعی اسی میں ہے کہ اسے نہیں لوٹایا جاتے، بلکہ صدقہ کیا جائے۔ اس توجیہ سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ کے سودی بینک کی ملکیت تسلیم کر لی جائے تو بھی اسے لوٹانا درست نہ ہوگا کیونکہ وہ رقم تخریب اسلام میں صرف ہو سکتی ہے۔

[2] زاد المعاد ج ۴ صفحہ ۲۴۲۔

بقدرها .... كمن في يده عروض لا يعلم مستحقيها اعتبارًا للديون بالاعيان ومتى فعل ذلك سقط عنه المطالبة في العقبى

نہ چل رہا ہو تو اس کے بقدر صدقہ کرنا ضروری ہے .... اور جب ایسا کرے گا تو آخرت کے مواخذہ سے بچ جائے گا۔ (مفہوم)

اس پر علامہ ابن عابدین شامیؒ نے یہ تعلیق کی ہے :۔

قوله كمن في يده عروض إلى آخره يشمل ما إذا كانت لقطة او غصبًا او رشوة فان كانت لقطة فقد علم حكمها (اى وجوب التصدق بها) ان كان غيرها فالظاهر وجوب التصدق بأعيانها وقوله سقط عنه المطالبة .... لأنه بمنزلة مال الضائع والفقراء مصرفه عند جهل أربابه .[1]

مطلب یہ ہے کہ :۔ لقطہ، غصب، اور رشوت کے مال کا تقریبًا ایک ہی حکم ہے (اسے صدقہ کیا جائے) البتہ لقطہ کے علاوہ اگر ناجائز ذریعہ سے حاصل شدہ مال بعینہٖ موجود ہو تو اسی کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ صدقہ کے بعد آخرت کے مواخذہ سے بچ جانے کی وجہ یہی ہے کہ اصل مالک کا پتہ نہ چلنے کی صورت میں مال کا مصرف فقراء ہیں۔

حنفی کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے اموال کو لقطہ[2] جیسا سمجھتے ہیں، دونوں (لقطہ اور مجہول الحال مال) میں یہ بات مشترک ہے کہ مال کے اصل مالک کا پتہ نہیں چل رہا ہے اور جس شخص کے قبضہ میں ایسا مال آگیا ہے وہ آخرت کے مواخذہ سے بچا اور

---

[1] رد المحتار مع الدر المختار صفحہ ۲۳ ج ۵۔

[2] ل۔ ق۔ ط (لقطہ) اس مال کو کہتے ہیں جو راستہ میں یا کسی بھی جگہ پڑا ہوا مل جائے۔ اس بارے میں سب سے زیادہ واضح اور صریح اثر کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم صدقہ ہے جو آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو مشرک سے بازی جیتنے کی شکل میں ملے ہوئے مال کے بارے میں دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا تھا: "تصدق به" (تفسیر ابن کثیر ۳/۴۲۳)

بدلنا دشوار ہو جاتا ہے تو شریعت نے اس دشواری کا حل تصدق علی الفقراء بتلایا ہے، چنانچہ بعض احادیث نبویہ اور اکثر اقوال صحابہؓ میں لقطہ کا یہی حکم ملتا ہے مثلاً ایک حدیث ۔ جسے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بزار اور دارقطنی نے نقل کیا ہے ۔ میں ہے :۔

ان النبیؐ سئل عن اللقطۃ فقال	لقطہ کے بارے میں جب رسول اللہ صلی اللہ
لا تحل اللقطۃ فمن التقط شیئا	علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا
فلیعرفہ سنۃ فان جاء صاحبہ	لقطہ (اٹھانے والے کے لیے) حلال نہیں ہے
فلیردہ الیہ وان لم یات فلیتصدق	جو اٹھائے اس کی سال بھر تک تشہیر کرے اگر
بہ الخ [1]	مالک آجائے تو اسے دیدے ورنہ صدقہ کر دے

اور یہی مسلک متعدد کبار صحابہؓ و تابعینؒ کا بھی ہے ۔ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں فرماتے ہیں :۔

قال بعض اھل العلم من اصحاب	بعض اہل علم صحابہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ
النبیؐ وغیرھم یعرفھا سنۃ فان	لقطہ کی سال بھر تک تشہیر کی جائے، اگر مالک
جاء صاحبھا والا تصدق بہ وھو	آجائے تو کیا خوب! ورنہ اسے صدقہ کر دیا
قول سفیان الثوری وعبد اللہ	جائے ۔ یہی مسلک سفیان ثوری اور عبداللہ
بن المبارک ۔ [2]	بن مبارک کا بھی ہے (یہ دونوں جلیل القدر تابعی ہیں)۔

مشہور فلسفی فقیہ علامہ ابن رشدؒ اندلسی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'بدایۃ المجتہد' میں ذکر کیا ہے کہ یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول[3] ہے ۔ صاحبؒ الجواہر النقیؒ نے مصنف ابن ابی شیبۃ کے حوالے سے (بسند متصل) حضرت عمرؓ کا یہ معمول نقل کیا ہے :۔

---

[1] الدرایۃ لتخریج احادیث الہدایۃ للزیلعی برحاشیہ ہدایہ ج۲ صفحہ ۵۹۴ ۔ [2] باب ما جاء فی اللقطۃ الجامع للترمذی ج ۱ ص ۱۶۵

[3] بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۳۰۰ ۔ یہ حکم کہ مال حرام پر قبضہ کر لینے کے باوجود بھی قابض کی ملکیت نہیں قائم ہوتی اور نہ اس کیلئے اسکا استعمال جائز ہوتا ہے بلکہ ایصال کا صدقہ کرنا ہی ضروری ہے، دیگر مآخذ و شواہد کے علاوہ دورِ حاضر کے مشہور وسیع النظر عالم شیخ یوسف القرضاوی کی حسب ذیل تحقیق سے ثابت ہوتا ہے : "المال الذی یحوزہ صاحبہ بطریق خبیث ... کالغصب ... والرشوۃ، والربا ... فالصحیح ان ھؤلاء لا یملکون ھذہ الاموال ... وان خلطوھا باموالھم الحلال حتی لم تتمیز منھا ۔ قال العلماء لو کان الخبیث من المال نصابا لا یلزمہ الزکاۃ لان الواجب علیہ تفریغ ذمتہ بردہ الی اربابہ ان علموا"

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

کان عمرؓ یامرأ ان تعرف اللقطة فان جاء صاحبها والا تصدق بھا۔۔۔	حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ لقطہ کی تشہیر کرتے تھے اگر مالک نہ آتا تو صدقہ کر دیا کرتے تھے۔

اور اس کی سند کے بارے میں کہا ہے "ھذا سند جلیل متفق علیہ الا ابراھیم فان مسلماً انفرد بہ"[۱]۔ اور اس میں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بھی یہی مسلک سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور حضرات عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیبؒ، شعبیؒ، حسن بصریؒ، طاؤسؒ اور عکرمہؒ جیسے جلیل القدر صحابہؓ اور تابعین کا بھی یہی قول نقل کیا ہے[۲]۔ اتنی کثیر تعداد (صحابہؓ اور تابعینؒ) کی جب یہ رائے رکھتی ہے تو حدیثِ بالا میں اگر کچھ ضعف بھی ہو (جیسا کہ بعض محدثین نے کہا ہے) تو اس کی تلافی ہو جائے گی اور حدیث قابلِ استدلال بن جائے گی جیسا کہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:۔

فلو سمعنا ضعف حدیث ابی ھریرۃؓ فی الصدقة کفانا جواز التصدق بالاجماع[۳]	اگر بالفرض ہم یہ مان بھی لیں کہ حدیث ابوہریرہؓ (مذکورہ بالا حدیثِ رسول اللہؐ) ضعیف ہے تو صدقہ کے جواز پر اجماع کا ہونا، کافی دلیل ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مالِ حرام کے صدقہ کرنے کے حکم پر تقریباً تمام مسالک کے علماء متفق نظر آتے ہیں۔ (جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا) البتہ امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین اسے لقطہ کے حکم میں رکھتے ہیں، اور ان کی تحقیق میں، مذکورہ بالا دلائل کی بنا پر، لقطہ کا صدقہ کرنا بھی واجب ہے۔ (اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے)، دیگر فقہاء بھی ۔۔۔ اگرچہ لقطہ کا حکم اس سے مختلف بتلاتے ہیں لیکن ۔۔۔ اموالِ حرام کا یہی حکم

(صفحہ ۳۷ کا بقیہ حاشیہ) اُو اِلی ورثتہم والا فالی الفقراء وھنا یجب التصدق بہ کلہ۔" فقہ الزکاۃ ص۱۳۳ ج۱ بحوالہ "البحر الرائق" وحاشیہ لابن عابدین ص۲۲۱ ج۲

[۱] الجوھر النقی ص۲۰ ج۲

[۲] الجوھر النقی ص۲۰ ج۲

[۳] فتح القدیر لابن الہمام ص۱۶ مطبوعہ پاکستان۔

بیان کرتے ہیں، حافظ ابن قیمؒ کی زاد المعاد کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ وہ یہ مسلک صحابہ سے ثابت شدہ کہتے ہیں، صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں ایک بہت پتہ کی بات لقطہ کا حکم بیان کرتے ہوئے ذکر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

فان جاء صاحبها دفعها الیه	"لقطہ" کا مالک آجائے تو اسے دیا جائے
الا التصدق بها ایصالا للحق	ورنہ صدقہ کر دیا جائے کیونکہ حق کا "صاحبِ حق"
وهو واجب بقدر الامکان و	تک ممکنہ طریقے سے پہنچانا ہی مطلوب ہے
ذلك بایصال عینها عند الظفر	تو اگر مالک مل جائے تو اصل مال اس
بصاحبها وایصال العوض	تک پہنچ جائے گا، ورنہ اس کا عوض یعنی
وهو الثواب علی اعتبار اجازته	اجرِ آخرت اسے ملے گا (اجازت کی
التصدق بها۔ [1]	صورت میں)۔

مال حرام فقیر ہی کو دینا ضروری ہے

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا مناسب (بلکہ شاید ضروری) ہو گا کہ ایسے اموال (جو حرام ذریعہ سے حاصل ہوئے ہوں اور ان کے اصل مالکین لوٹانا کسی بھی طرح ممکن نہ رہا ہو، ان) کا فقراء ہی پر صدقہ کرنا ضروری ہے عام مصرف خیر میں صرف نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ سابق مفتی اعظم پاکستان و صدر مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد شفیع نور اللہ مرقدہ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ فقراء پر صدقہ کرنا (یعنی انہیں مالک بنانا) ہی ضروری ہو گا، کسی اور طرح کے مصرف خیر میں خرچ کرنا (مثلاً مسجد بنانا، یا بنائے مدارس میں خرچ کرنا) جائز نہ ہو گا۔ موصوف نے اس مسئلہ پر پورا ایک رسالہ "اشباع الکلام من مصرف الصدقة من الحرام" تحریر فرمایا ہے[2]۔ اس میں کثیر دلائل سے اس رائے کی صحت ثابت کی ہے اور مخالف اعتراضات و احتمالات کے شافی جوابات دیئے ہیں۔ راقم سطور بھی۔

---

[1] ہدایہ ص۵۹۵ ج۲

[2] یہ رسالہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۱۰۵ تا ۱۰۸ (مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند، جلد ہفتم و ہشتم میں شامل ہے)

دونوں نقطۂ نظر رکھنے والوں کے دلائل اور کلام پر غور کرنے کے بعد یہی قول راجح سمجھتا ہے جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ثابت کیا ہے۔ (تفصیل کے طالب رسالہ دیکھیں)[1] بعض علماء نے عام مصارف خیر میں ایسے اموال کا خرچ کر دینا جائز بتایا ہے۔ اور مفتی شفیع صاحبؒ کے استدلال کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے (لیکن جیسا کہ اوپر گذرا دلائل کی قوت سے مفتی صاحب ہی کی رائے راجح ثابت ہوتی ہے)۔ مفتی صاحبؒ کی بحث و تحقیق کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ "تمام فقہی مآخذ اور معتبر کتابوں میں ایسے اموال کا حکم "تصدق بہ" یا "وجب علیہ التصدق" جیسی عبارتوں میں بتایا گیا ہے۔ (یہ بات اس مقالہ[ع] میں بھی متعدد حوالوں سے مذکور ہو چکی ہے) نیز فتاوی بزازیہ اور عالمگیری میں بھی "تصدق" کے الفاظ ملتے ہیں، اور جب "تصدق" مطلق بولا جائے تو فقہا کے یہاں اس سے واجب التملیک صدقہ ہی مراد ہوتا ہے جس کا مصرف فقراء ہیں، مدارس و مساجد نہیں۔ جیسا کہ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے "احکام القرآن"[1] میں قرآن مجید کی آیت "وفی الرقاب" کے تحت صراحت کی ہے:-

وعتق الرقبة لا تسمى صدقة	غلام کا آزاد کرنا صدقہ نہیں کہلائے گا۔
وما اعطى فى ثمن الرقبة	غلام کی قیمت میں جو رقم صرف ہوگی وہ بھی
فليس بصدقة .... وأيضا	صدقہ نہیں ہے .... اسلئے کہ صدقہ کا
فان الصدقة تقتضى تمليكاً	تقاضہ ہے کہ فقیر کو مالک بنادیا جائے
.... اذ شرط الصدقة وقوع الملك	صدقہ کی شرط ہی یہ ہے کہ فقیر کی ملکیت
للمتصدق عليه (ايضاً)[1]	ہو جائے۔

ع۔ ابھی گذشتہ صفحہ کے حاشیہ پر بھی "البحر الرائق" کی عبارت میں "یجب التصدق" ہونا بحوالہ مذکور ہو چکا ہے۔

۱۔ احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۵۳

۲۔ رسالہ "اشباع الکلام"۔ مفتی صاحبؒ موصوف نے اور بھی متعدد مآخذ کی روشنی میں اپنی بات کو مدلل کیا ہے، نیز مخالف اعتراضات و احتمالات کے جواب بھی دیئے ہیں۔

علاوہ ازیں مفتی اعظم اوّل دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ایک فتویٰ مطبوعہ یہ ملتا ہے:۔ "ناجائز کمائی کا یہ حکم ہے کہ وہ اصل مالک کو واپس دی جائے اور اگر مالک یا اس کے وارث نہ ہوں تو فقراء اور مساکین پر صدقہ کیا جائے، اس لئے مدارس کے غریب طلبا کو دینا جائز ہوگا، اور مسجد کے امام و موذن بھی اگر غریب ہوں تو ان کو لوجہ اللہ بطور صدقہ دینا جائز ہوگا، تنخواہ میں دینا ان کو بھی جائز نہیں، اسی طرح مسجد میں لگانا بہرحال مکروہ ہے۔"[1]

ضروری اور قابل لحاظ بات

اس لیے ضروری ہے کہ ایسے اموال، صرف فقراء کو دیئے جائیں، اور انہیں مال کا مالک بنایا جائے، البتہ فقیر مالک بننے کے بعد اسے تمام جائز کاموں پر خرچ کر سکتا ہے[عہ] (جس میں کسی مدرسہ کی امداد یا مسجد کی تعمیر بھی شامل ہے)۔ جن علماء نے بینک سے ملنے والے سود کا مصرف 'رفاہ عام' کے تمام کام بتائے ہیں، اور فقراء پر صدقہ کرنا ہی واحد مصرف نہیں قرار دیا ہے ان کے پیش نظر غالباً صرف ہندوستان رہا ہے[عہ] (وہ بھی "دارالحرب" تسلیم کرلیے جانے کی صورت میں) کیونکہ عموماً

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۴۷ جلد پنجم، ہشتم۔

[عہ] چونکہ فقیر کو مالک بننے کے بعد شرعاً یہ حق مل جاتا ہے کہ اب وہ جہاں۔ جائز مصرف میں۔ چاہے اسے صرف کرے۔ اسلئے اگر وہ کسی ایسی جگہ خرچ کرتا ہے جہاں (اس فقیر کے پاس آنے سے قبل) یہ مال خرچ نہیں کیا جا سکتا تھا، تو بھی صحیح ہوگا۔ اس بات کی تائید صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ بخاری شریف ص ۲۰۲ ج ۱ میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت بریرہؓ نے ایسا گوشت پیش کیا جو انہیں کسی نے صدقہ کے طور پر دیا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمالیا۔ (حالانکہ صدقہ کے استعمال سے آپؐ انتہائی احتیاط فرماتے تھے) جب توجہ دلائی گئی تو فرمایا کہ "بریرہ کیلئے وہ صدقہ تھا (اور جب بریرہ نے مالک بن جانے کے بعد وہ ہمیں دیا تو چونکہ ان کی نیت صدقہ کی نہیں بلکہ ہدیہ کی ہے اسلئے) وہ ہمارے لیے ہدیہ ہے"۔ اسی سے فقہا نے ایک اہم اصول اخذ کیا ہے کہ "تبدیل ملک تبدیل عین کا سبب ہے"۔ متن حدیث اس طرح ہے:۔ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلحم تصدق علی بریرۃ فقال ھو علیہا صدقۃ وھولنا ھدیۃ۔" اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ام عطیہؓ سے متعلق بھی بخاری ہی میں مروی ہے۔

[عہ] اس کے قرائن بھی ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ فتاوے اکثر انگریزی حکومت کے زمانے کے ہیں، علاوہ ازیں حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے کہ :۔ "جو بینک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا جو بینک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربیوں کا نہیں ہوسکتا۔" (مکتوبات ج ۱ ص ۱۶۹)

ان حضرات نے اپنے مدعا کا اثبات "ہدایہ" میں مذکور (امام محمد کی "سیر کبیر" کی) ایک عبارت سے کیا ہے جس میں صراحت کے ساتھ "اہل الحرب" کے اموال کا مصرف "مصالح المسلمین" کو قرار دیا گیا ہے۔

اگر مذکورہ بحث (سود کے مصرف کی بحث) صرف ہندوستان یا اس جیسے دیگر ملکوں ہی سے متعلق و محدود ہوتی تب تو کسی درجہ میں اس عموم کی گنجائش نکل سکتی تھی، اگرچہ اس میں (ہندوستان جیسے ملکوں کے بارے میں) بھی یہ واقعی احتمال موجود ہے کہ بینکوں میں سرمایہ جمع کرنے والے، یا بینکوں سے سود پر قرض لینے والے صرف غیر مسلم (اہل الحرب) ہی نہیں ہوتے بلکہ مسلمان بھی معتدبہ تعداد میں ہوتے ہیں۔ (اور شاید یہ کہنا، عام جائزہ کے پیش نظر، غلط نہ ہوگا کہ مسلمان اپنے عددی تناسب سے کچھ زیادہ ہی سود دینے والے ملیں گے) تو پھر مسلمان سے وصول کردہ سود کا مصرف بعینہٖ وہ قرار دینا جو حربی کے اموال کا ہے کیونکہ درست ہو سکتا ہے!؟ اس پہلو کے پیشِ نظر رکھنے کے بعد ہندوستان جیسے ملکوں (اگر انہیں دار الحرب مان لیا جائے تب بھی ان) کے بینکوں سے ملنے والے سود کی رقم کا بالکلیہ وہ مصرف قرار دینا جو اہل الحرب کے اموال کا ہے درست نہ ہوگا[عہ]۔ اس لیے یہاں بھی بینک کے سود کو عام مصرف خیر میں خرچ کرنے کے عمومی جواز کا فتویٰ دینا خلافِ احتیاط ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ کہ مذکورہ بحث (سود کے مصرف کی بحث) ہندوستان یا اس جیسے دیگر ملکوں ہی تک کیوں محدود رکھی و سمجھی جائے؟ کیا وہ ممالک جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور جنہیں، دار الحرب، قرار دینا ممکن نہیں، ان میں سودی بینکوں کا نظام رائج نہیں ہے؟ اور کیا وہاں بھی مسلمان بینکوں سے سود پر قرض لیتے یا دیتے نہیں ہیں؟ اگر وہاں بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے (اور یقیناً ہو رہا ہے) تو پھر کیا وہاں کے مسلمانوں کا اس مسئلے سے واقف ہونا، یا انہیں یہ مسئلہ بتانا غیر ضروری ہے؟ (اگرچہ مسلم اکثریت کے ملکوں سودی نظام کا بدلنا، شرعی فریضہ ہے جو سب پر عائد ہوتا ہے۔

عہ کیونکہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ 'دار الحرب' میں بھی کسی مسلمان کا مال وہاں کے مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے۔ (سیر کبیر ج ۳ ص ۲۲۶ کی عبارت سے یہی نکلتا ہے، جیسا کہ مولانا گیلانیؒ نے اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے۔ مولانا گیلانیؒ کا مقالہ مودودی صاحب نے اپنی کتاب 'سود' میں نقل کیا ہے)۔

بنابریں بینک سے سود کے طور پر وصول شدہ رقم کی نوعیت، لقطہ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔ (اوپر گذرا کہ 'لقطہ' کے مصرف کے بارے میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ وہ "واجب التصدق" ہے) جو بھی بینک کے نظام سے ذرا واقف ہے جانتا ہے کہ بینک کو سود دینے والوں۔ یعنی اس رقم کے اصل مالکین۔ کا پتہ چلانا متعذر ہے کیونکہ بینکوں کا یہ عمومی دستور ہے کہ وہ "کھاتہ دار" کے علاوہ کسی اور کو۔ کھاتہ، بینک بیلنس، یا درآمد برآمد وغیرہ تفصیلات سے۔ مطلع نہیں کر سکتے۔

اگر بینک تجارت کے ذریعہ حاصل شدہ اپنے سرمایہ سے بھی سود دیتا ہے، اور اس کا بینک کو لوٹانا شرعی مصلحت سے ناجائز یا نامناسب ہے، تو بھی اس کا صدقہ واجب ہے۔ جیسا کہ اوپر۔ متعدد مکاتب فکر رکھنے والے ممتاز علماء وفقہاء کی تصریحات کے دوران۔ بیان ہوا، اور پھر اس حقیقت سے صرف نظر کر لینا بھی درست نہیں کہ 'بینک' جس طرح کے معاملات کو 'تجارت' کا نام دیتا ہے کیا واقعتہً وہ سب شکلیں شرعاً بھی 'تجارت' ہی کا مصداق ہیں؟ یا ان میں سے بعض۔ حقیقتِ شرعیہ کے لحاظ سے۔ ربوٰ ہی کے ذیل میں آتی ہیں؟

غرضیکہ ان سب امور کے پیش نظر رکھنے کے بعد 'بینک' سے حاصل ہونے والے 'سود' کا مصرف کیا ہو؟ اس سوال کا عمومی جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ " اسے صدقہ کرنا ہی ضروری ہے "۔

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ جو شخص مالِ حرام فقیر کو دے وہ اپنی طرف سے صدقہ کی نیت نہ کرے، کیونکہ یہ شخص صدقہ کرنے والا نہیں ہے، بلکہ صدقہ حقیقتاً اس شخص کی طرف سے ہے جو اس مال کا اصل مالک و مستحق ہے۔ یہ شخص تو از جانب شرع۔ ایسی صورت میں۔ اصل مالک کا نائب، یا وکیل بالصدقہ ہے۔ (اس لیے صدقہ کا ثواب اصل مالک کو ملے گا نہ کہ اس کے نائب کو۔) اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر یہ شخص اپنی طرف سے صدقہ کی نیت کرے گا تو۔ خلافِ واقعہ ہونے کی وجہ سے۔ خادع اور گنہگار ہوگا۔ البتہ اسے صدقہ پہنچانے یعنی مالک و فقیر کے درمیان واسطہ بننے کا ثواب انشاءاللہ ملے گا۔ اس تجزیہ کے بعد یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے

کہ چونکہ یہ اصل متصدق نہیں بلکہ نائب ہے اس لیے اپنے ماں باپ کو (اگر وہ شرعاً مستحق ہوں) بھی یہ ایصال دے سکتا ہے۔ بلکہ اس بنیاد کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے اوپر بھی خرچ کر سکنا جائز ہو۔ مگر احتیاطاً اور مصلحۃً اس شخص کو اپنے اخراجات میں لانا جائز نہیں رکھا گیا کیونکہ اس طرح اصل مالک کو تلاش کرنے اور اس تک اموال پہنچانے میں سستی پیدا ہو جانا قدرتی تھا۔ نیز حیلہ جوئی اور بہانہ بازی کے لیے راہ کھل سکتی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بینک سے جو سود کی رقم ملے وہ فقراء (یعنی صدقہ کے مستحقین) ہی کو دینا ضروری ہے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ صحیح نہیں ہے۔

اللّٰھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ، واھدنا سواء السبیل، وصلی اللّٰہ علیہ سیدنا ورسولنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فہرستِ مآخذ

۱۔ قرآن حکیم

حدیث ۲۔ الجامع الصحیح البخاری (بخاری شریف)	ابو عبداللہؒ محمد بن اسمٰعیل البخاری	(اصح المطابع کی نقل رحیمیہ دیوبند)
" ۳۔ الصحیح المسلم (مسلم شریف)	ابو الحسینؒ مسلم بن الحجاج القشیری	(")
" ۴۔ الجامع للترمذی (ترمذی شریف)	ابو عیسٰیؒ محمد بن عیسٰی الترمذی	(مکتبہ رشیدیہ دہلی)
" ۵۔ سنن ابی داؤد (ابو داؤد شریف)	ابو داؤدؒ سلیمان بن الاشعث السجستانی	(بالواسطہ)
" ۶۔ المجتبیٰ للنسائی (نسائی شریف)	ابو عبدالرحمٰنؒ احمد بن شعیب النسائی	(")
" ۷۔ سنن ابن ماجہ (ابن ماجہ شریف)	ابو عبداللہؒ محمد بن یزید بن ماجہ	(")
" ۸۔ مسند احمد	ابو عبداللہؒ احمد بن محمد بن حنبل	(")
" ۹۔ السنن الکبریٰ للبیہقی	ابو بکرؒ احمد بن الحسین البیہقی	(")